غلام مصطفیٰ قاسمی

اجتماعیت

شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں

(۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی ولادت بروز چہارشنبہ ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۳ء ہوئی۔

عالمی تاریخ کے ارتقاء میں آپ کا ظہور کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، قدرت کی طرف سے اسلام جیسے بین الاقوامی دین کی صحیح تعبیر اور امّتِ محمدیہ کے مختلف فرقوں میں جو افتراق اور تشتت پیدا ہوگیا تھا اس کی اصلاح اور سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت جو لُوٹ کھسوٹ ہوتی تھی اسے دور کرنے کے لئے قدرت نے آپ کو منتخب کیا تھا۔

شاہ صاحبؒ کا مختصر نسب نامہ اس طرح ہے: قطب الدین ولی اللہ احمد[۱] بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد العمری۔ اسی طرح یہ سلسلہ اسلام کے عظیم فاتح اور عادل خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔

---

[۱] شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین اوشی دہلوی کی طرف سے رُوحانی طور پر شاہ صاحبؒ کے والد شاہ عبدالرحیم کو آپ کی ولادت کی بشارت سنائی گئی تھی، اس لئے آپ کا ایک نام قطب الدین احمد بھی رکھا گیا۔

ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انھی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزّل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جب کہ اسلام کا نفس بازپسیں تھا "شاہ ولی اللہ" جیسا نامور شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ ؎۱

شاہ صاحبؒ کو قدرت کی طرف سے جو علمی اور عملی صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں، ان کی نشو و نما کے لئے ماحول کی سعادت اور موافقت کافی حد تک دخیل تھی۔ آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی نے علوم اور معارف کی تحصیل عالمگیری دَور کے علماء و صلحاء اور اسلامی سوسائٹی سے کی تھی اور ان کو خصوصی معارف ان کے نانا شیخ رفیع الدین دہلوی سے ملے تھے۔ شیخ رفیع دہلوی نے طریقت کا اکتساب اپنے والد بحر مواج قطب عالم سے کیا تھا، وہ اپنے والد بزرگوار امام عبدالعزیز بن حسن دہلوی سے مستفیض ہوئے تھے، جنھوں نے اپنے والد حضرت شیخ کمال الدین حسن بن طاہر دہلوی سے اکتساب کیا تھا۔ آخر الذکر بزرگ کی وفات ۹۰۹ھ میں ہوئی ؎۲

شاہ صاحبؒ کو اپنی زندگی میں دس سلاطین دہلی کی حکومت دیکھنے کا اتفاق ہوا؛ عالمگیر اعظم، بہادر شاہ اول، معز الدین جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ، محمد شاہ، احمد شاہ، عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی۔ شاہ عالم ثانی کے عہد میں شاہ صاحبؒ کی وفات سے تقریباً دو سال قبل کلائیو نے الہ آباد کے مقام پر بنگالہ اور بہار و اڑیسہ کی دیوانی بادشاہ سے لے کر کمپنی بہادر کے حوالہ کی۔

حضرت استاذ علامہ عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں کہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ

؎۱ شبلی۔ علم الکلام ؎۲ کان الشیخ الاجل الشیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین الدھلوی اخذ العلوم والمعارف عن المجتمع الاسلامی العالمکیری، وتوارث المعارف الخاصۃ عن جدّہ لامّہ الشیخ رفیع الدین الخ ــــ (التمھید لتعریف ائمۃ التجدید ــ قلمی نسخہ تالیف مولانا عبیداللہ سندھی)

مذکورہ بالا سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو کن کن لرزہ خیز واقعات و حوادث سے گزرنا پڑا، سادات بارہ کا تسلط، فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں بصد بے کسی قید ہونا، پھر تورانی اُمراء کے ہاتھوں ساداتِ بارہ کا زوال، مرہٹوں کی بغاوت اور ان کا عروج، سکھوں کی بغاوت، نادر شاہ کی یلغار اور دہلی میں قتل عام۔ احمد شاہ ابدالی اور معرکہ پانی پت میں حق کا باطل پر غلبہ، سیاست ہند میں روہیلوں کی شرکت و مساہمت، ایرانی و تورانی اُمراء کی رقیبانہ چپقلش، ہندوستان میں یورپین اقوام کی للچائی ہوئی نگاہیں، پھر انگریزوں کا بنگال وغیرہ میں عمل دخل اور اسی قسم کے دوسرے انقلابات شاہ صاحبؒ نے اپنی آنکھوں سے دیکھے [۵۱]

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جس تحقیق اور تجدید کے داعی تھے اس کی تخم ریزی آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب کی طرف سے ہوئی تھی، جس کی آبیاری شاہ صاحبؒ نے کی۔ ولی اللّٰہی دعوت کا اگر صحیح تجزیہ کیا جائے تو اس کے بنیادی اُصول چار معلوم ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن پاک پر غور کرنا اور مفسرین کے ذاتی آراء اور خیالات کو چھوڑ کر (براہ راست) قرآن سے ہدایت حاصل کرنا۔ شاہ صاحبؒ نے اس تدبُّر کے چند اصول، اپنی مخصوص تالیف الفوزالکبیر میں بیان فرمائے ہیں [۵۲]

قرآن مجید میں تدبُّر کی اہمیت

شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید کے باتدبر مطالعہ کو ایک سنت لازمہ قرار دیا تھا، قرآن مجید کے فارسی ترجمہ اور فوائد فتح الرحمٰن (مختصر تفسیری حواشی) کو اسی تدبر کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ آپ کے بعد، آپ کے فرزندانِ گرامی شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین تینوں نے اپنے والد بزرگوار کی پیروی میں قرآن کریم کی بڑی خدمت کی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر فتح العزیز لکھ کر

---

۵۱ شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک

۵۲ قد تحقق عندی ان الشیخ الاجل عبد الرحیم بن وجیہ الدین الدهلوی هوالذی بذر بذور التحقیق والتجدید الذی یدعوالیہ الامام شاہ ولی اللہ الدهلوی الخ (التمہید لتعریف ائمۃ التجدید) قلمی نسخہ۔ شاہ ولی اللہ لائبریری حیدرآباد۔ سندھ

قرآن عظیم میں تدبّر اور غور و خوض کرنا اور آیات قرآنی کو اپنے دور کے لوگوں کے حالات پر چسپاں کرنے کے لئے ایک عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ آگے چل کر ولی اللّٰہی جماعت میں سے مولانا شیخ الہند محمود الحسن نے شاہ عبدالقادر کے ترجمے موضح القرآن کی اس طرح اصلاح فرمائی کہ اردو کے متروک الفاظ کی جگہ مستعمل الفاظ رکھے اور اس کا نام موضح الفرقان رکھا۔[۵]

قرآن مجید میں تدبر کرنے کے لئے شاہ صاحبؒ کے بتائے ہوئے اُصولوں کو اگر غائر سے دیکھا جائے تو ان سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ قرآن مجید کے تعلیمات میں اجتماعی روح اور اجتماعیت کو بروئے کار لانا چاہتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ شاہ صاحبؒ نے کھل کر فرد کے مقابلے میں اجتماع اور انفرادیت کے مقابلے میں اجتماعیت کو بہت زیادہ نمایاں نہیں کیا۔ جس کا باعث یہ ہے کہ اس دور میں جو ملکی حالت تھی وہ اس قسم کے افکار کی اشاعت اور علانیہ تائید کی متحمل نہ تھی، کیوں کہ وہ بادشاہوں کا دور تھا، اور بادشاہی دور میں فرد ہی طاقت کا محور رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے نزول کے اصلی مقصد سرمایہ دارانہ نظام کی اصلاح، عادلانہ نظام کا قیام اور فاسد اجتماعت کی جگہ صالح اجتماعیت کو پیدا کرنا قرار دیا، چنانچہ قرآن حکیم کے پڑھنے میں اجتماعیت پر سوچنے اور غور و خوض کرنے کی دعوت دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ بعثت کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمیں دنیا کے مہذب ممالک دو سلاطین کے زیر نگین معلوم ہوتے ہیں: ایک کسریٰ شہنشاہ ایران، دوم قیصر روم۔ عراق، یمن، خراسان اور ان کے متصل ممالک بھی کسریٰ کے زیر اقتدار تھے۔ ماوراء النہر (بخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہ) اور ہندوستان

۵؎ وقد جعل الامام ولی اللّٰہ قراءۃ القرآن مع التدبّر سُنّۃً لازمۃً، ثم تبعہ علیٰ ذلک اولادہ (التمہید۔ فصل ۲ باب ۱۰)

کے سلاطین اور حکمران بھی کسریٰ کے باج گزار تھے، ہر سال ان ممالک سے لگان کا ایک مقررحصہ کسریٰ کی طرف سے وصول کیا جاتا تھا۔ روم اور اس کے نواحی ممالک پر قیصر کا تسلط تھا، مصر، مغرب، افریقہ کے سلاطین، قیصر روم کے تابع تھے۔ کسریٰ اور قیصر دونوں شہنشاہوں کا نظام سرمایہ دارانہ نظام تھا اور ان دونوں فرمارواؤں کو شکست دے کر ان کے ممالک پر قبضہ کرنا روئے زمین پر قبضہ کرنے کے مترادف تھا۔ اس لئے پیغمبر علیہ السلام نے مبعوث ہوتے ہی ھلك قیصر فلا قیصر وھلك کسریٰ فلا کسریٰ کا اعلان فرماکر گویا سرمایہ داری نظام کے خاتمہ کا اعلان فرمادیا۔

ایک جگہ شاہ صاحبؒ اہل فارس اور اہل روما کی عیاشانہ زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تاریخ شاہد ہے کہ اہل روما اور اہل فارس (ایران) میں ایک لمبی مدت تک حکومت رہی۔ انھوں نے اپنے دور کے حالات کے مطابق تمدن کے لوازم اور رفاہیت (آرام پرستی) اور عیاشانہ زندگی میں غیر معمولی ترقی کی آخرت کی یاد کو پس پشت ڈال کر اپنی دنیوی زندگی کو عیاشی کے ساتھ بسر کرنا اپنا نصب العین قرار دیا اور شیطان نے ان پر اپنا پورا تسلط جمالیا اطرافِ عالم سے موجد اور مخترع کھنچ کر وہاں چلے آئے اور زندگی کی لذتوں کے متعلق کئی ایک نئی چیزیں اور نئے طریقے دریافت کئے۔ تمام امراء اور سرمایہ دار عیش پرستی میں منہمک تھے، اور اس بارے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے تھے، ان کے متعلق یہاں تک مشہور ہے کہ ان عیش پرست اور خود پسند امراء میں جس کا کمربند ایک ہزار روپے سے کم قیمت کا ہوتا تھا اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ہر سرمایہ دار اور امیر کبیر کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اس کے پاس ایک شاندار محل ہو جس کے صحن کے سامنے باغ ہو، حمام وغیرہ جیسے لوازم اس میں موجود ہوں۔ اس کے دسترخوان پر الوان نعمت چُنے جائیں، اور اس کی

زرق برق پوشاک سب لوگوں میں نمایاں ہو، نیز اس کے پاس عمدہ نسل کے گھوڑوں اور راحت بخش گاڑیوں کی کمی نہ ہو، اور خدمت کے لئے لونڈیاں اور کمربستہ غلام حاضرباش رہا کریں۔"

شاہ صاحبؒ اپنے دَور کے سلاطین اور والیانِ ریاست کی مثال دے کر اہل روما اور اہل فارس (ایران) کی حالت اس طرح سمجھاتے ہیں:

"عصرِ حاضر کے مُلوک وسلاطین اور والیانِ ریاست کے ٹھاٹھ دیکھ کر تم ان کی عیاشیوں اور زندگی کے مرافق میں غلو اور حد سے بڑھنے کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ عیش پرستی کا یہ طریقہ ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکا تھا۔ جس کی وجہ سے تمام تمدن اور معاشرہ میں ایک لاعلاج روگ پیدا ہوگیا، دوسرے سب لوگ ان کی دیکھا دیکھی عیاشیوں پر مائل ہوگئے کیونکہ یہ ایک سچا مقولہ ہے اَلنَّاسُ علیٰ دِینِ مُلوکِھِم یعنی عوام اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ رعیت کے ہر طبقہ میں اپنی حیثیت کے موافق عیاشی کا مرض پھیل گیا، اور اس نے وبائے عام کی صورت اختیار کرلی۔ اس عیاشی کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ قسم قسم کی پریشانیوں میں مُبتلا ہوگئے کیوں کہ عیاشانہ زندگی بسر کرنے کے لئے جس سازوسامان کی ضرورت تھی اس کا حاصل ہونا بہت سی دولت خرچ کرنے کے بغیر ناممکن تھا۔ اس لئے ان مُلوک وسلاطین نے اپنی رعیت اور بیوپاروں پر اور امراء نے اپنی اسامیوں پر بھاری بھاری لگان (ٹیکس) عائد کیئے۔ اس حالت میں ان غریبوں کے لیئے دو ہی راہیں تھیں، ایک تو یہ کہ بغاوت کا علَم بلند کریں اور مسلح ہو کر مقابلہ کریں، ایسا کرنا تو ان کے امکان سے باہر تھا کیونکہ یہ لوگ بے سروسامان تھے۔ ان کے سامنے دُوسرا راستہ یہ تھا کہ سلاطین اور سرمایہ داروں کی اطاعت سے منہ نہ موڑیں چوپایوں اور گدھوں کی سی ذلیل زندگی بسر کریں، جن سے ان کی مرضی کے بغیر ہل چلانے اور کنوئیں

سے پانی نکالنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اور جن کی تھوڑی بہت پرورش یا غور و پرداخت صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ مالکوں کی اپنی اغراض ان کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔

بہرحال نچلے طبقے کے لوگ اپنے اعمال اور اپنے آقاؤں کی خدمت میں اس قدر مشغول ہوتے تھے کہ ان کو اخروی سعادت کی طرف متوجہ ہونے کی لمحہ بھر فرصت نہیں ملتی تھی۔

اس عیاشانہ نظام (اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی زندگی) کو قائم رکھنے کیلئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس قسم کے لوگ موجود ہوں جو ان کے لئے مختلف قسم کے کھانے تیار کریں، ان کے لئے مختلف طرح کے کپڑے اور زینت و آرائش کا سامان بنائیں اور ان کے لئے بڑے بڑے شاندار محلات اور مکانات تعمیر کریں، لوگوں کی اکثر تعداد تو ان بے سود اشغال میں مصروف ہوگئی تھی، اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ بہت سے ایسے ضروری ہنر اور پیشے چھوڑ دیئے جائیں جن کا ہونا اصل تمدن کے لئے نہایت ضروری تھا۔

جن لوگوں کا اُمراء اور سرمایہ داروں سے تعلق [illegible] ان کے دلوں میں بھی یہ شوق پیدا ہوگیا تھا کہ وہ بھی ان سرمایہ داروں سے ملتی جلتی طرزِ معاشرت اختیار کریں۔ سب کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح حکومت سے وابستہ ہوں اور جس طرح بھی ممکن ہو حکومت کے خزانے سے کچھ پا کر اپنی زندگی بسر کریں۔ اس لئے ان کی اکثریت نے تو سرکاری مُلازمت کو اپنا مقصد قرار دے لیا تھا اور اس ملازمت کو ہی منتہائے کمال سمجھتے تھے۔ ان کے پیش نظر یہ بات نہ ہوتی تھی کہ حکومت کا نظام ٹھیک طور پر کام کرے اور تمدن کو کسی بہتر معیار پر پرکھا جائے۔ ان کا نصب العین صرف جلبِ زر ہوتا تھا۔ ان میں بعض شعر گوئی کو اپنا پیشہ بنا لیتے تھے اور مدحیہ قصائد لکھ کر سرکاری خزانے

کے لئے بارِ گراں ثابت ہوتے تھے بعض لوگ زہد اور پارسائی کے دکھاوے سے حکومت سرکاری ملازموں اور عام لوگوں سے نذرانے اور شکرانے وصول کرنے کا دام بچھاتے تھے دوسرے لفظوں میں یہ جماعت بھی حکومت اور معاشرہ پر بوجھ ڈالتی تھی۔ ملوک وسلاطین اور اربابِ اقتدار سے قُرب حاصل کرنے اور طرح طرح سے ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرنے نے ایک ہمہ گیر وبا کی صُورت اختیار کرلی تھی۔

خلاصہ یہ کہ جب یہ مرض اپنی انتہائی شدت کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ ان پر سخت ناراض ہُوا اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت نے عوام کی حالت زار کو دیکھ کر یہ تقاضا کیا کہ (سرمایہ داری اور) عیاشی کے اس مرض کی بیخ کنی کی جائے، چنانچہ اس نے نبی اُمّی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے مذکورہ عیاشانہ زندگی کی قباحت اور برائی بیان فرمائی، سرمایہ دارانہ زندگی کے لوازمات سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ مثال کے طور پر ریشمی کپڑے پہننے، سونے چاندی کے برتن کھانے پینے کے کام میں لانے، مَردوں کا عورتوں کی طرح اپنے آپ کو زیورات سے آراستہ کرنے، شاندار عمارتیں بنوانے اور پھر ان کی آرائش کے لئے رنگین پردے اور تصویریں لٹکانے کو ممنوع قرار دیا۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنی اُمت اور اپنے پیروکاروں کو پہلے سے بتادیا کہ آپؐ کا غلبہ (سرمایہ دار) سلاطین کی دولت وحکومت کے زوال کا باعث ہے اور آپ کی نبوت کا مقصد کسریٰ اور قیصر (جیسے شہنشاہوں) کی سلطنتوں کو مٹا دینا ہے۔

بہرحال اس دَور میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ عوام کی اصلاح احوال کی جائے اور ان کی معاشی حالت کو درست کرکے معاشرہ کو خوشحال بنایا جائے اور اس کام کی رہنمائی کے لئے ایک ایسی جماعت پیدا ہو جو ان کو نیکی کا حکم کرتی رہے اور برائی سے ان کو روکے اور ان کی حالت زار میں انقلابی طور پر تبدیلی پیدا کرے۔ یہ انقلابی تبدیلی اسی صورت میں ممکن تھی کہ کسریٰ اور قیصر جیسے دو عظیم شہنشاہوں کی مُستبدّ حکومتوں کو ختم کردیا جائے اور ان کی جگہ معاشی مُساوات، انسان دوستی اور خدا پرستی پر مبنی صحتمند نظام قائم کیا جائے۔

پیغمبر علیہ السلام کو خدائے پاک نے مبعوث فرمایا اور انھیں یہ بشارت دی کہ کسریٰ اور قیصر کا اقتدار ختم ہوگیا۔ جس کی یہ صورت ہوگی کہ پہلے پیغمبر علیہ السلام کے ذریعہ عرب میں انقلاب برپا ہوگا، اور پھر آپ کی تربیت یافتہ جماعت مہاجرین وانصار کے ذریعے ان دونوں حکومتوں کو ختم کرکے ایک عالمی انقلاب برپا ہوگا"۔ ؎۱

مقصد نزولِ قرآن شاہ صاحبؒ نے مذکورہ بالا انقلاب کو نزولِ قرآن کا مقصد قرار دینے کے بعد معاشی ناانصافی اور عدم مساوات کی برائیوں کو بھی کھول کر بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"جس سوسائٹی میں اقتصادی توازن نہ ہو اس میں طرح طرح روگ پیدا ہوجاتے ہیں، نہ وہاں عدل وانصاف قائم ہوسکتا ہے اور نہ مذہب اپنا اچھا اثر ڈال سکتا ہے۔ شاہ صاحب یہ بھی مانتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قیصر وکسریٰ نے متمدن دنیا کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا اور مشیت الٰہی نے اس فاسد نظام کو ختم کرنا چاہا تھا اسی طرح ان کے زمانے میں معاشرہ بھی ان اجتماعی بیماریوں سے کھوکھلا ہوچکا تھا اور اس کا مٹنا بھی یقینی نظر آتا تھا"۔ ؎۲

شاہ صاحبؒ کے انقلابی پروگرام کا اہم اصول شاہ صاحبؒ کے اصلاحی اور انقلابی پروگرام کا اہم اصول اقتصادیات میں توازن اور معاشیات میں مساوات کو واضح کرنا تھا۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے اقتصادی توازن ایک ضروری امر ہے اور ہر انسانی جماعت کو ایک ایسے اقتصادی نظام کی ضرورت ہے جو اس کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل ہو۔ جب لوگوں کو اپنی معاشی ضرورتوں سے فراغت نصیب ہوتی ہے تو پھر وہ اپنے خالی وقت میں جو ان کے پاس کسبِ معاش کے بعد بچ رہتا ہے۔ زندگی کے ان شعبوں کی ترقی اور

؎۱ حجۃ اللہ البالغہ، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم صفحہ ۱۰۵ طبع منیریہ مصر

؎۲ شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک، مولانا استاذ عبیداللہ سندھی ص۲۵ مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور

تہذیب کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں جو انسانیت کا اصل جوہر ہیں، لیکن اگر ان کی اقتصادی ضروریات بھی فراہم نہ ہوں اور ان کی وجہ سے انسان کی جدوجہد اس کی حیوانی ضرورتوں تک محدود ہو جائے تو انسانیت کے اعلیٰ مقامات کا کسے ہوش رہے گا۔ اقتصادی نظام کے درست اور متوازن ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حیاتِ دنیاوی میں انسانیت کے اجتماعی اخلاق تکمیل پذیر ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے، اس وقت وہ گدھوں اور بیلوں کی طرح روٹی کمانے کے لئے کام کریں گے۔ جب انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ انسانیت کو اس سے نجات دلانے کے لئے کوئی راستہ ضرور الہام فرماتا ہے یعنی ضروری ہے کہ قدرتِ الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کر کے قوم کے سر سے ناجائز حکومت کا بوجھ اتار دے"

سیاسی قوت کا مدار فلسفہ پر

سیاسی قوت اجتماعی قوت سے پیدا ہوتی ہے اور معاشرتی طاقت کا مدار کسی نہ کسی فلسفہ پر ہوتا ہے، جس معاشرہ کا فلسفہ اعلیٰ ہوگا اس کی ذہنی قوتیں اسی اعلیٰ فلسفہ کی بدولت کبھی نہ کبھی درجۂ کمال تک پہنچ جائیں اور اس کی معاشرتی اور اقتصادی حالت بھی اچھی ہوگی، کیونکہ ذہنی قوتوں کا اثر معاشرت اور اقتصاد پر پڑتا ہے، اگر سماجی حالت (جو کہ ذہنی قوتوں کی پیداوار ہے) اچھی ہوگی تو اس سے جو سیاسی قوت پیدا ہوگی وہ بھی اچھی کہلائے گی۔

مساویانہ تقسیم دولت اور شاہ ولی اللہ رح کا فلسفہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں ہر معاشی نظام کی بنیاد کسی نہ کسی فلسفہ پر رکھی گئی ہے تو کیا شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی تالیفات میں جو عادلانہ تقسیم مال و دولت اور مساویانہ نظام پر زور دیتے ہیں اس نظام کے لئے کوئی فلسفہ بھی پیش کرتے ہیں یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک شاہ صاحبؒ نے ایک جامع فلسفہ بھی پیش کیا ہے لیکن یہ فلسفہ کارل مارکس کے فلسفہ کی طرح اختراعی نہیں ہے، شاہ صاحبؒ کے فلسفہ کی بنیاد مذہب اسلام کی حکمت اور اس کی روح پر ہے۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک سب سے پہلے انسان کیلئے معاشی خوشحالی کا ہونا ضروری ہے۔ جب انسان کو ذہنی سکون ملتا ہے تو اس کے بعد وہ مذہب اور اخلاق کا متلاشی ہوتا ہے جس کی حقیقی علت یہ ہے کہ جب تک انسان انسانیت کے اس اولین مرتبہ یا درجہ کو طے نہیں کرتا اس وقت تک وہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو کر انسانیت کے مقام کو پہنچ نہیں سکتا ہے، شریعت اور اخلاق کی ذمہ داری انسانوں پر ہوتی ہے حیوانوں پر نہیں ہوتی۔

شاہ صاحب اور کارل مارکس کے نظریہ میں بنیادی فرق اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ یہ کارل مارکس کے مادّی فلسفہ سے مشابہت رکھتا ہے کارل مارکس بھی اخلاقی اصول اور مذہبی احکام کو معاشی ضروریات کے تابع قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اخلاقی اصولوں اور معاشی تقاضوں میں باہمی ٹکراؤ ہوتا ہے تو اخلاق و مذہب کو اپنی شکست مان کر معاشیات کا غلبہ ماننا پڑتا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ معاشیات کے متعلق شاہ صاحبؒ کے بتائے ہوئے اصولوں کی بنیاد قرآن کریم کی حکیمانہ تعلیم اور اس کی عملی شکل پیغمبر علیہ السلام کی سنت پر ہے۔ اس لئے فلسفۂ ولی اللٰہی میں معاشی ضروریات اور مذہب و اخلاق کے متصادم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شاہ صاحبؒ نے اسلام کی تعبیر دو لفظوں اقتراب اور ارتفاق سے فرمائی ہے، خدا پرستی اور انسان دوستی کو انسانیت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ انسان دوستی کی صحیح تعبیر مال و دولت کی مساویانہ تقسیم ہے تاکہ یہ نہ ہو کہ معاشرہ میں ایک تو عظیم سرمایہ دار بن جائے اور دوسرے کو کھانے کے لئے روٹی اور اوڑھنے کے لئے کپڑا بھی میسر نہ ہو۔

فاشستی نظام فاشستی نظام میں سارا زور فرد کی انفرادیت، صلاحیت اور

ذاتی ملکیت پر دیا جاتا ہے، اس سے اجتماعی اور تمدنی زندگی میں معاشی فلاح اور خوشحالی کا ہونا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحبؒ فرد کے مقابلہ میں اجتماعیت پر زور دیتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے فلسفہ میں جملہ کائنات فی الحقیقت ایک وحدت ہے جس کا نام ان کے فلسفہ میں "شخص اکبر" ہے۔

شخص اکبر جسمانی عالم کو جو کتنا ہی طویل و عریض ہو اسے ایک ہی جسم ماننا چاہیئے یہ سارا جسم خود ایک مستقل چیز ہے اور اس کے اندر مختلف جسم ایسے ہیں جیسے سمندر میں موجیں۔ اس سارے جسم میں طبعی تقاضا کرنے والی ایک خاص قوت ہے جو تمام اجزاء کو ان کی اپنی اپنی مناسب شکلوں میں تبدیل کرتی رہتی ہے، اس بڑے جسم کو مع اس کی تمام قوتوں کے "شخص اکبر" کہنا چاہیئے۔

طبیعت الکل جسم کا ایک حصہ وہ ہے جو ایک وقت میں عناصر کی شکل رکھتا تھا پھر اس نے جڑی۔ بوٹی وغیرہ نباتات کی شکل اختیار کرلی۔ غرض اس جسم کے مختلف اجزاء جو مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں، ان سب کی مرکزی قوت اس بڑے جسم کے اندر محفوظ ہے، یہ مرکزی قوت شاہ صاحب کے فلسفہ میں "طبیعت الکل" کہلاتی ہے۔

نفس الکل جیسے ہر ایک انسان میں روح ہے جو اس کے علم اور ارادے کی مالک ہے، اسی طرح اس بڑے جسم شخص اکبر کی ایک روح ہے جو نفس الکل (روح اعظم) سے موسوم ہے ؎۱

ہیگل اور رُوحِ عالم ہیگل کے فلسفہ کا مدار پیکار اضداد پر ہے۔ دنیا میں اب تک جتنی ترقی ہوئی ہے ہیگل نے اس کا حقیقی سبب اضداد کے پیکار اور باہمی مناقشت کو قرار دیا ہے مثلاً مختلف خیالات اور تصورات کی باہمی آویزش اور تصادم اضداد سے ایک تیسرا تصور یا خیال وقوع پذیر ہوتا ہے۔

ہیگل نے اس باہمی نزاع اور جدلی عمل کا حقیقی محرک یا منبع ایک مخفی قوت کو قرار

؎۱ تفصیل کے لئے دیکھیں "سطعات" کتاب کے ابتدائی تین سطعے۔ تالیف شاہ ولی اللہؒ۔ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد

دیا ہے جس کو اس نے رُوحِ عالم یا رُوحِ مطلق کا نام دیا ہے۔

ہیگل کے فلسفہ میں رُوحِ مطلق اپنی تکمیل کے لئے اس نزاعی اور جدلی نظام کا تقاضا کرتی رہتی ہے کیونکہ اس جدلی عمل اور کھینچ تان سے جو نیا تصوّر وجود میں آتا ہے وہ پہلے تصوّر سے زیادہ جامعیت اور وسعت رکھتا ہے۔ ترقی کا یہ سلسلہ اس وقت تک آگے بڑھتا رہے گا، جب تک کہ رُوحِ مطلق ترقی اور کمال کی اعلیٰ منزل پر نہ پہنچ جائے۔ اس دنیا یا عالمِ اجسام میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے وہ رُوحِ مطلق کے تقاضا کا نتیجہ ہے اور اس کے مقتضا کا ایک عکس ہے۔ انسان اپنے آپ کو بظاہر تو آزاد اور مختار سمجھتا ہے لیکن اصل میں یہ رُوحِ مطلق کا ایک مظہر ہے جس کسی میں روحِ مطلق کے تقاضا کا ظہور کامل طور پر ہوگا اسے روح سے بھی قوی رابطہ ہوگا اور وہ کامل طور پہ روحِ مطلق کی تجلّی کہلائے گا۔

شاہ صاحبؒ کے فلسفہ میں ذاتِ بحت یا ذاتِ باری اتنی کامل اور محیط ہے کہ اسے مزید کمال کے حصول کی کوئی احتیاج نہیں اور یہ ایک ایسی "حقیقتِ قصوٰی" ہے جس کا دوسرے تمام حقائق مقابلہ نہیں کر سکتے۔[۵] اس لحاظ سے روحِ مطلق، شخصِ اکبر کی روح کا نام ہوگا البتہ ذاتِ باری کے اندر جتنے کمالات ہیں ان کو ایک بسیط وحدت تصور نہ کیا جائے بلکہ تمام مختلف چیزیں اپنی اختلافی شان کو پورے طور پر محفوظ رکھتے ہوئے کمالاتِ ذاتیہ میں داخل ہیں، ان میں سے ہر چیز کو فلسفہ میں اسمِ الٰہی کہا جاتا ہے، جن کے مجموعہ کو "اسمائے کونیہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ روحِ اعظم یا نفسِ کلیہ ان اسمائے کونیہ کا ایک مرکزی اسم بھی ہے۔

(مُسلسل)

---

۵ الحقائق کلّها ترجع الیٰ حقیقةٍ واحدةٍ تکون شرحًا لها وتفصیلاً لاجمالها الوحدة الحقة (الحقیقة القصوٰی) کلمة لا تزاحم الکلمات الخ (البدور البازغة تالیف حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۱ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل)